

کی۔ اس نیک کام میں تمام قریش قبائل نے حصہ لیا۔ خانہ کعبہ کے مختلف حصے انہوں نے آپس میں تقسیم کیے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ یہاں تک کہ حجر اسود کی تنصیب کا موقع آیا اس کا رخبرہ کو انجام دینے میں سب قبائل آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ نوبت خون ریزی تک آجاتی۔ چار دن تک جاہلی انداز میں لڑائی جھگڑا جاری رہا۔ پانچویں دن قریش کے معمر ترین آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے آئے گا وہ اس معاملے کا فیصلہ کرے گا۔ کتب سیرت میں ہے کہ اگلے دن مشیت ایزدی سے سب سے پہلے تشریف لانے والی ہستی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار منتخب کروایا اور چادر بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا سب منتخب شدہ سرداروں نے چادر کے کونے تھامے اور حجر اسود کو خانہ کعبہ کی طرف لے چلے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب فرما دیا (۴)۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملہ اور بہترین تدبیر کا شہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی معاشرہ میں ہو چکا تھا۔ یہاں یہ تاثر ملتا ہے کہ اس تدبیر کے نتیجے میں جملہ قبائل کی اس اہم کام میں شرکت نے انہیں معزز بنا دیا۔

آپ کی ذاتی صفات میں صدق، امانت، دیانت، راست بازی، ایفائے عہد، شرافت اور معاملہ فہمی کی شہادت آپ کے ساتھ رہنے والا ہر شخص دیتا تھا۔ انہیں میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے جو آپ کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے ان کے بیان کے مطابق کاروباری معاملات میں آپ ہمیشہ نہایت شفاف معاملہ فرماتے اور کبھی منافقہ کی نوبت نہ آتی۔ بعد از اعلان نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خالق حقیقی کی جانب سے دعوت حق کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی۔ اس مرحلے پر آپ کی فطرت سلیمہ میں پائی جانے والی مفاہمانہ روش کے ساتھ جس معجزاتی طرز پر اعلیٰ کلمۃ اللہ کا فریضہ آپ کی جانب سے انجام دیا گیا اس پر داعی و مبلغ اپنی پوری طاقت و ہمت سے عمل کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ کہیں تو آپ تبلیغ کے جواب میں طنز و تشنیع سن کر متحمل مزاحیہ کا مظاہرہ فرماتے ہیں (۵) اور کہیں دعوت کے جواب میں ظلم و تشدد سہہ کرنا ظالموں کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہیں (۶)۔ کہیں آبائی وطن کو چھوڑنے پر مجبور کرنے والوں سے عام معافی کا معاملہ فرماتے ہیں (۷) اور کہیں مسلم افواج کو جاہلی انداز میں جانی و مالی نقصان پہنچانے والی اقوام و قبائل کی بیٹیوں کو حد درجہ تکریم سے نوازتے ہیں۔ (۸)

قرآنی حکم و انذر عشیرتک الا قریبین کے مطابق آپ نے دعوت و تبلیغ کا آغاز گھر سے کیا (۹) اس پر تاثر دعوت کی مثال نہیں ملتی کہ آپ کے قریب ترین ساتھی آپ پر فوراً ایمان لے آئے۔ (۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے عزیز دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہر اقدام پر بھرپور اعتماد کرتے۔ مخالفین کے اعصاب شکن حملوں کا مقابلہ کرنے میں آپ کی ڈھارس بندھاتے۔ یہاں تک کہ دین پھیلنا شروع ہوا اور جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ مخالفین کے اذیت ناک حملوں میں بھی شدت آتی چلی گئی اور شعب ابی طالب میں محصوری کا پرآزمائش لمحہ آ گیا۔ (۱۱)

ریاست مدینہ جس کی تشکیل قبائلی عصبيت کو چھوڑ کر سراسر امت کی بنیاد پر تھی، اس کا تانا بانا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست اور بلند پایہ حکمت عملی کی ان گنت نشانیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

## تشکیل ریاست میں پائیدار حکمت عملی:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیرہویں سال مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ جس کا قدیم نام یثرب تھا مکہ مکرمہ کے شمال میں تقریباً گیارہ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ علاقائی اہمیت کا حامل تھا۔ مدینہ کے اہم قبائل میں تین بڑے یہودی قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قیظاع جبکہ دو قحطانی قبائل اوس اور خزرج شامل تھے (۱۲)۔ جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام عرب خلفشار کا شکار تھا اسی طرح یثرب کے باشندوں میں بھی باہمی اختلافات سنگین نوعیت کے تھے۔ ایسے میں جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بظاہر یہ ناممکن تھا کہ جدید طرز پر ایک پر امن اور متحد ریاست کی شکل میں اس خطے کو بدلا جاسکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مضبوط اور منفرد حکمت عملی کے نتیجے میں انتہائی قلیل عرصے میں یہاں مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک مستحکم، پر امن اور جدید ریاست قائم ہو گئی۔

وہ کیا محرکات تھے جن کی بدولت مدینہ النبی کے باشندے باہم مل جل گئے؟ وہ کیا عناصر تھے جنہوں نے مدینہ النبی کے باشندوں کو آپ کو مشترکہ طور پر ثالث تسلیم کرنے پر آمادہ کیا؟ اور سیاست کے وہ کیا اسرار و رموز تھے جن کو اختیار کرتے ہوئے یہاں اسلامی جمہوری ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا؟ مذکورہ سوالات کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ وہی سب سے اعلیٰ سیاسی طرز عمل تھا، وہی سب سے پائیدار اور مضبوط مفاہمتی اقدام تھا جس کا انتظار اپنی پیدائش کے وقت سے زمین و آسمان کر رہے تھے، جب ماضی سے لے کر مستقبل تک کے کسی بھی جاہلی مفاہمتی عمل کو تاجدار مدینہ نے اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے عین اسلامی مفاہمتی عمل کی قابل تقلید مثال اپنی امت کے لیے قائم فرمادی۔ نہایت متوازن، نہایت سادہ، نہایت پُر حکمت، نہایت مضبوط اور نہایت منفرد اقدامات جو آپ نے اختیار فرمائے ان میں چند درج ذیل ہیں:

- ۱- مرکزیت اسلام کی علامت مسجد نبوی کی تعمیر
- ۲- مواخات
- ۳- میثاق مدینہ و دیگر معاہدات
- ۴- عدل و انصاف کے ساتھ حکم کا کردار
- ۵- جہاد
- ۶- دعوت دین
- ۷- فلاح عامہ کا دستور

## تعمیر مسجد نبوی:

آپ نے مسجد نبوی کو مسلم مرکزیت کی علامت کے طور پر اختیار کیا جو تاجدار مدینہ کا انتہائی سادہ و نیاوی شان و شوکت کے ادنیٰ سے اظہار سے بھی خالی مرکز امامت تھا، مگر اس کمزور عمارت کی پائیداری کا یہ عالم تھا کہ وقت کی عظیم الشان سلطنتوں کے شان دار محلات اس کے آگے بہت سے گھس گھس کر عالم میں تاجدار مدینہ کے متعارف کردہ شرف

انسانیت کے تصور کا ایسا شہرہ ہوا کہ ظلم اور نا انصافی کے بڑے بڑے مراکز لہجوں میں نابود ہو گئے۔ تعمیر مسجد نبوی جس کو ریاست مدینہ کے قیام کے عمل میں آپ نے اولین ترجیح کے طور پر اختیار فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاہمت کے لیے کوئی بھی حکمت عملی تب تک پائیدار نہیں ہو سکتی جب تک اس کا اختیار کرنے والا گروہ اپنا مضبوط اندرونی مرکز نہ بنا لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھرپور حصہ لیا، صحابہ کرام اینٹیں اٹھاتے جاتے اور یہ مصرعہ پڑھتے جاتے۔

لئن قعدنا والرسول يعمل لذاک منا العمل المضلل (۱۳)

تعمیر مسجد نبوی کے بعد یہ مقام اسلامی تبلیغ و اشاعت، تعلیم و تربیت اور سیاست و معاشرت کا مرکز تھا۔ اس مقام کے دیگر سلطنتوں کے مراکز کے ساتھ موازنے سے شہنشاہ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکزی سادگی کی تشکیل نظام میں اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ اس کا دروازہ دربان سے خالی تھا مگر ہر خاص و عام کے لیے کھلا تھا، اس کا منبر زرو جو اہر سے مزین نہ تھا مگر ہر طبقے کو ایک ملت میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا اور اس مرکز میں ہونے والی ہر منصوبہ بندی دنیاوی عصیت کی بقا کے لیے نہیں بلکہ اللہ وحدہ لا شریک کی حکومت کے قیام کے لیے ہوا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشکیل کردہ نظام کے بنیادی مقاصد میں عقائد کا اعمال میں اظہار، اعمال میں شریعت پر کامل انحصار، جاہلی عصیت کا مکمل خاتمہ اور ملت واحدہ کا قیام بھی شامل ہیں۔ ان مقاصد کا حصول اور ایک مرکز کی حیثیت سے مسجد کی تعمیر پر ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

”اسلام کے نظام اور اس کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ مسلمان مضبوط اور راسخ وحدت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور اللہ کی رسی یعنی اس کے حکم اور اس کی شریعت کو جمع ہو کر تھامے رکھیں لیکن اگر اسلامی معاشرے کے مختلف اطراف میں ایسی مساجد قائم نہیں ہوں گی جہاں جمع ہو کر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کو سمجھ سکیں جس سے علم و معرفت کے ساتھ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہیں، تو اس طرح ان کی وحدت پارہ پارہ ہو کر بکھر جائے گی اور بہت جلد خواہشات اور شہوات ان میں تفرقہ ڈال دیں گی۔ مسلم معاشرے اور جدید اسلامی حکومت میں الہی تصورات کو قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کاموں سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی۔“ (۱۴)

مواخات:

انسانی شخصیت کے تحقیقی جائزے سے تین طرح کی شخصیات تاریخ میں زیر مطالعہ رہی ہیں:

۱۔ نفسیاتی شخصیت ۲۔ نظریاتی شخصیت ۳۔ روحانی شخصیت

طی اخوت میں جب مذکورہ تین طرح کی شخصیات، نظریاتی بنیادوں پر باہمی تعلق قائم کرتی ہیں تو چونکہ نفسیاتی اور روحانی طور پر وہ ایک دوسرے سے کم از کم مختلف ہو سکتی ہیں لہذا ان کے ساتھ باہمی تعلق قربانی، ایثار، درگزر اور مجموعی

طور پر آزمائش ہوتی ہے۔ نفسیاتی طور پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ اشخاص ایک دوسرے کے تقرب میں خاص چاشنی محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ روحانی طور پر ایک درجے کے اشخاص کے ذوق و شوق ایک ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح خونی رشتوں میں بندھے لوگ خواہ کسی بھی طور کے اختلاف رکھتے ہوں وہ رشتوں کے بندھن میں بندھے ہی رہتے ہیں۔ مگر ملی اخوت بالخصوص اسلامی دینی اخوت میں جڑا انسان نفسیاتی اور روحانی ابتدائی منازل طے کر چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ذہنی و قلبی طور پر ملی وحدت میں باہم مل جانے کے لیے خود کو تیار کر کے اس رشتے میں منسلک ہو جاتا ہے۔ یہ کسی بھی دنیاوی تعلق داری سے بالکل جدا اور منفرد تعلق داری ہے جو سراسر دینی حمیت کو نبھانے پر انسان کو ہر وقت تیار رکھتی ہے اور شیطان کے بہکاوے اور رب رحمن کی رہنمائی میں سے کسی ایک سے متاثر ہونے کی بنا پر کبھی کمزور اور کبھی پختہ ہوتی رہتی ہے مگر ٹوٹی نہیں۔ اس تعلق داری کا بہترین اظہار اور عملی مثال مدنی دور کے اولین ایام میں جاری کردہ یہ مواخات ہے جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

”اسلامی تہذیب اخلاق اور تکمیل فضائل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس سلطنت الہی کے لیے وزراء، ارباب تدریس، سپہ سالاران لشکر ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔ اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درس گاہ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد و مزاج موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضروری ہے۔ تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد ناق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سیکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کے خصوصیات میں سے ہے۔“ (۱۵)

گویا تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ دوسرا اہم اقدام جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا وہ انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات کا قیام تھا (۱۶)۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تآخوا فی اللہ اخوین اخوین۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ہذا اخی (۱۷)۔ اس اقدام نے آگے چل کر ریاست مدینہ کی تشکیل اور مضبوط تہذیب میں کلیدی عمل ہونے کا ثبوت دیا۔ یہاں نظریاتی طور پر یکساں ہونے کی بنا پر قائم ہونے والے بھائی چارے کا کسی مفاہم حکمت عملی میں اہم ہونا دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اسلامی مواخات کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ یوں آپ نے ملت اسلامیہ کو تقویت پہنچانے اور اس کے استحکام کے لیے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ اپنی عملی شکل میں نافذ ہونے کے بعد ملت اسلامیہ کے عروج کا سبب بنا۔

بقول ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی:

”اس سے واضح ہوتا ہے کہ اخوت کا مدار اور اس کی بنیاد اسلامی تعلق ہے جس کی ہجرت کے بعد کے مخصوص حالات میں جب مہاجرین اور انصار ایک جگہ اکٹھا ہوئے، تجدید اور تقویت کی گئی، حقیقت میں یہ وحدت دین اور وحدت عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اخوت تھی جسے عملی طور پر مستحکم کر دیا گیا“۔ (۱۸)

**میثاق مدینہ و دیگر معاہدات:**

میثاق مدینہ وہ اہم معاہدہ ہے جس کو بین المذاہب معاہدے کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ان بین الاقوامی اصولوں کو متعارف کرانے والی دستاویز ہے جن کا کسی بھی بین الاقوامی سیاسی معاہدے میں ہونا لازمی امر ہے۔ اسی قسم کے معاہدے کی بدولت ہی اقوام، باہمی وحدت، علاقائی امن و استحکام اور تہذیبی بقا اور ترقی جیسے ثمرات حاصل کیا کرتی ہیں۔ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ درس ہے جس سے تاقیامت انسانیت فیض حاصل کرتی رہے گی (۱۹)۔ ڈاکٹر لقمان سلفی تحریر کرتے ہیں:

”یہ عہد نامہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام خیر سگالی والا دین ہے اور لوگوں کو ان کے دین اور مال و جائیداد کے سلسلے میں پوری آزادی دیتا ہے اور یہ کہ یہاں کے رہنے والے سب لوگ اسلام کے سایے میں خوش و خرم زندگی گزاریں بشرطیکہ بدعہدی نہ کریں“ (۲۰)۔ میثاق مدینہ کی کل سینتالیس (۲۷) شقیں و ثنائی سیاست میں نقل کی گئی ہیں۔ (۲۱)

اس میثاق کے اہم فریق یہود نے بعد ازاں اس معاہدے کو توڑتے ہوئے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی جس کے نتیجے کے طور پر ایک تو یہود کی اسلام دشمنی عریاں ہو گئی اور دوسرے مسلمانوں پر بوقت دشمنی کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کے لیے جہاد بالسیف کی اہمیت بھی واضح ہو گئی۔ (۲۲)

دیگر معاہدات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اقوام کے ساتھ کیے ان میں سے ایک سینٹ کھیرن کے راہبوں کے ساتھ کیا گیا وہ صلح نامہ ہے جس کی شقیں انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

**عدل و انصاف کے ساتھ ثالثی کا کردار:**

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین مفاہمتی طرز عمل کی جو مثالیں امت مسلمہ کے لیے قائم فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے جب بھی غیر مسلم گروہوں نے آپ کو ثالث تسلیم کیا آپ نے عدل و انصاف کے اسلامی تقاضوں کو ہمیشہ پورا کیا۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کسی ایک مقام پر بھی آپ نے طاقت و راد مضبوط پوزیشن رکھنے کے باوجود محض امت مسلمہ کی فلاح کے لیے بھی عدل و انصاف کے منافی کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ آپ نے تاجدار مدینہ ہونے کی حیثیت سے جتنے بھی مقدمات کے فیصلے فرمائے ان میں غیر مسلموں کے باہمی فیصلے ان کے مذہب کے مطابق فرمائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فیصلے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمائے۔ آپ نے

عدل و انصاف کے ساتھ حکم کا کردار ادا فرمایا جس کی مضمون حکم عملی کے ساتھ اور حکم الہی کی تفسیر بھی کہ:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان الا تعدلوا. اعدلوا هو اقرب للتقوی (المائدہ: ۸)

”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل نے ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر علیہ السلام پر اقوام عالم کا اعتماد اتنا گہرا بیٹھ گیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام چہرہ دارنگ عالم میں پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق اس مذہب امن کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

جہاد:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں جا بجا جہاد کی تلقین فرمائی ہے۔ لفظ جہاد کی لغوی تشریح کچھ اس طرح ہے: الجهد: المشقة، النهاية والغایة، الوسع والطاقة

قرآن پاک میں ہے: والذین لا یجدون الا جہدہم۔ (۲۳)

جہاد اپنے وسیع اسلامی تصور میں جملہ اسلامی تعلیمات کے اندر سما ہوا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاعت کردہ نظام امن کے قیام میں جہاد کا مقام از بس لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ۔ (الحج: ۷۸)

”اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے طور پر اگر اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جہاد کا حق کیا ہے جس کے ادا کرنے کا تقاضا مسلمانوں سے اس آیت مبارکہ میں کیا جا رہا ہے۔ بالاخص یہ کہ راہ حق میں پیش آنے والی جدوجہد کی ادائیگی میں تاخیر، ناکامی کی صورت میں رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر جہاد کو ترک کر دینا یا خود ساختہ مصلحت کو اختیار کرتے ہوئے خاموش بیٹھ رہنا اسلامی تصور جہاد کے منافی امور ہیں۔ ان کے برعکس مجاہد فی سبیل اللہ سے حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی میں آخر دم تک مستعد رہنے کی توقع کی گئی ہے۔ نیز ایسا کرنے میں ہر دم ہشاش بشاش اور مسرور رہنے والے کو مومن کہا گیا ہے۔

دعوت دین:

کامیاب مفاہمت کے قیام کا مطلب یہ نہیں کہ مخالفین کی دل آزاری کے خوف سے دعوت و تبلیغ کے فریضے کو ترک کر دیا جائے یہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اس کے بجائے کامیاب مفاہمت کا تقاضا اور مقصد پُر امن فضا میں دعوت و تبلیغ کے اجرا کو یقینی بنانا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد پہلا کام باطل اقوام کو دعوت حق دینے کا کیا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے اہل گدگد قائم سلطنت کے فرماں رواؤں کی جانب

اپنے سفیروں کو دعوتِ حق پر مبنی نامہ ہائے رسالت دے کر روانہ فرمایا۔

”نظامِ حکومتِ نبویہ“ میں الشیخ عبدالرحی الکتانی نے ایک فصل ”نبی کے سفیر، کامل العقل، فصیح اللسان اور مخالف کو مسکت دلائل سے قائل کرنے والے تھے“ کے عنوان سے قائم کی ہے۔ جس میں مختلف سیرت نگاروں کے حوالے سے انہوں نے اس قلمی دعوت کے اہم نکات قاری کے سامنے بے نقاب کیے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعوت میں جامع، دو ٹوک اور کہیں مدلل اور کہیں سخت انداز میں اس وقت کے عظیم بادشاہوں کو مخاطب کیا ہے (۲۳)۔ اس میں یہ فلسفہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ:

۱۔ دعوت کا کام اعلیٰ سطح سے شروع ہونا چاہیے۔

۲۔ بادشاہوں کے ہاں فلسفہ حکومت و سلطنت جس مقام پر ہوتا ہے اس کے لحاظ سے آپ کا طرزِ مخاطب ایک اہم ترین نمونہ ہے۔

۳۔ اہل کتاب بادشاہوں کے لیے وحی کا لایا ہوا نظام مان لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہونا چاہیے اس لیے انہیں وحی کے نظام کو قبول کر لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔

۴۔ اسلامی قوت کا مظاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کرنا مقصود تھا۔

۵۔ اس پہلے خطاب نے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں اسلامی قوت کا عملی اظہار ان سلطنتوں کی شکست کی صورت میں کر دیا۔

**فلاح عامہ کا دستور / خطبہ حجۃ الوداع:**

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے لیے جو دستور ارشاد فرمایا ہے وہ فلاح عامہ کا وسیع تصور اپنے اندر رکھتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جو بنیادی انسانی حقوق کا جامع ترین نظام اہل دنیا کو دیتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جس میں جاہلی رسوم کے خاتمے کا اعلان، ظلم کے ہاتھ باندھنے کا عزم، بنیادی انسانی حقوق کا تعین اور معاشرتی ڈھانچے کی تعمیر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ (۲۵)

وسیع سلطنت کے عظیم فرماں روا کا اپنی قوم سے یہ آخری خطاب تھا جس کا جائزہ لیتے ہوئے سید امیر علی نے لکھا ہے:

”اس خطبے میں نہ تو اتنی شاعری ہے نہ اتنا تصوف جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی خطبے میں

تھا، لیکن اس میں نہ صرف ایسی عملی دانش مندی ہے جو اعلیٰ طبائع کو پسند آتی ہے بلکہ ادنیٰ طبائع کی

صلاحیتوں اور تقاضوں سے مطابقت بھی ہے، جنہیں اخلاقی رہنمائی کے لیے مثبت اور مکمل ہدایات

کی ضرورت ہوتی ہے“۔ (۲۶)

مذکورہ بالا چند نکات کی روشنی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل میں ہمیں ایک متوازن اور اصولی نظام ملتا ہے جس میں کسی قسم کی مصالحت کے لیے عدم قبولیت کی روش کے ساتھ ساتھ عمل میں ٹھہرائی بھی پایا جاتا ہے۔ رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود نظام کے بجائے عالمگیر وحدت کا نظام بہترین حکمت عملی سے معرض وجود میں لا کر بعد کی انسانیت کے لیے مثال دی ہے۔

## مراجع و حواشی

- (۱) حسن کامل الملطوی، رسول اللہ فی القرآن الکریم، ص ۱۳، دارالمعارف قاہرہ: عبدالحمید محمود، الدكتور، القرآن والنبیؐ، ص ۵، دارالمعارف، قاہرہ، س-ن
- (۲) اسماعیل بن کثیر، معجزات النبیؐ، ص ۲۱، عالم الکتب لبنان، ۲۰۰۵ء
- (۳) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرة ابن اسحاق، ص: ۸۸، (ر: ۱۱۳)، معتمد الدراسات والابحاث للتعریب، س-ن: ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، المعارف، السیرة النبویة، ۲۳۱/۱، مکتبہ العیون، ریاض، ۱۹۹۸ء
- (۴) ایضاً، ۲۳۳/۱: البیہقی، ابو احمد بن الحسین، ۵۶/۲، دارالکتب العلمیہ لبنان، ۲۰۰۲ء: محمد الصویانی، السیرة النبویة، ۱/۱، ص ۴۷
- (۵) سیرة ابن اسحاق، ص: ۱۱۳-۱۱۵: اکرم ضیا العری، الدكتور، السیرة النبویة الصحیة، ۱/۱، مکتبہ العیون، ریاض، ۲۰۰۳ء
- (۶) محمد ابو زہرہ، خاتم النبیین، ۵۸۴/۱، دار التراث لبنان، ۱۹۷۲ء: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۳/۱۳، دار ابن حزم، ۲۰۰۹ء
- (۷) السیرة النبویة، ۲۶-۲۷ (۸) ایضاً، ۲۵۸-۲۵۹ (۹) خاتم النبیین، ۱/۱، ص ۲۷
- (۱۰) السیرة النبویة، ۲۸۸-۲۹۱ (۱۱) ایضاً، ۱/۳۶، ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱/۲۰۸، دار صادر، بیروت، س-ن
- (۱۲) احمد سعید بن سلم، المدینة المنورة فی قرن الرابع عشر الهجری، دار المنار، ۱۹۹۳ء: محمد محمد حسن شمر، اب، المدینة النبویة، ۳۳/۱، دار القلم دمشق، ۱۹۹۴ء
- (۱۳) السیرة النبویة، ۳۰۶/۲: عبدالرحمن السھیلی، الروض الانف، ۲/۳۳۶، دار احیاء التراث العربی، لبنان، ۲۰۰۰ء
- (۱۴) محمد سعید رمضان البوطی، ڈاکٹر، فقہ السیرة (ترجمہ: حافظ محمد عمران انور نظامی)، ص ۲۵۰، فرید بکسٹال لاہور، ۲۰۰۹ء
- (۱۵) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ۱/۲۹۵، ناشران قرآن، لاہور، ۱۳۶۴ھ
- (۱۶) السیرة النبویة، ۲/۱۰۴: الطبقات الکبری، ۱/۲۳۸: عبدالرحمن السھیلی، الروض الانف، ۲/۱۷۷
- (۱۷) الروض الانف، ۲/۱۷۷-۱۷۸: حمید اللہ، الدكتور، مجموعۃ الوثائق السیاسیة للعهود النبوی، ص ۱، مطبوعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والتفسیر القاہرہ، ۱۹۴۱ء
- (۱۸) سعید رمضان البوطی، ڈاکٹر، (مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)، دروس سیرت، ص ۲۷۳، نشریات، لاہور، ۱۹۹۹ء
- (۱۹) السیرة النبویة، ۲/۳۶۸، دار الحدیث، القاہرہ، ۲۰۰۴ء
- (۲۰) لقمان سلفی، ڈاکٹر، الصادق الامین، ص ۳۰۷، الفرقان ٹرسٹ، مظفر گڑھ، س-ن
- (۲۱) وثائق السیاسیة للعهود النبوی، ص ۵۹
- (۲۲) Power Manifestations of the Sirah, PP: 122, 123, Institute of Contemporary Islamic Thought, Canada, 2011
- (۲۳) المعجم الوسیط، ۱/۱۳۴، (جہد) ادارۃ العلمیۃ للبحوث والتراث، کتاب خانہ ملی ایران، ۱۸۸۵ھ
- (۲۴) عبدالحی اللکنانی، نظام حکومت نبویہ، (مترجم حافظ محمد ابراہیم فیضی)، ص ۲۳۹، فرید بک سٹال لاہور، ۲۰۰۵ء
- (۲۵) دروس سیرت، ص ۶۰۸-۶۱۴
- (۲۶) سید امیر علی، روح الاسلام، (ترجمہ: محمد ہادی حسین)، ص ۲۱۳، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰ء

## قرآن و سنت میں انسانی حقوق کا تصور

\* محمد جنید ندوی

### ABSTRACT:

Human right is an attractive term that includes all those rights that human beings must have to live and let live in peace and harmony. It fulfills their right to enjoy freedom of action and speech without fear of subjugation. It is a term that embraces more than a conceptual understanding of freedom of human beings as it also signifies the conditions by which such freedoms should be conducted. The United Nations defines Human Rights as those rights, which are inherent in our nature and without which we can not live as human beings (Human Rights, Questions & Answers, (1987) United Nations, New York).

The aim of this monograph is to provide an over view of human rights as a concept and a practice for the establishment of a truly humane and civilized society. The sources used in this paper are based on Qur'an and Sunnah with a retrospective approach to vividly describe the conditions under which people have been led to encourage specific categories of rights. This monograph will acquaint the readers with human rights concept of Islam.

سماجی علوم کے ماہرین انسانی حقوق کی بنیاد اس مفروضہ پر قائم کرتے ہیں کہ تمدنی زندگی بسر کرنے سے پہلے انسان فطری حالت پر تھا۔ اور اس فطری حالت میں انسان کچھ متعین اصول رکھتا تھا جنہیں ہنوز کسی نے غصب نہیں کیا تھا۔ لیکن جب انسان کو اپنے فطری حقوق کے تحفظ کے لیے خطرہ لاحق ہوا تو اُس نے معاشرتی زندگی اختیار کی۔ لہذا معاشرہ کا وجود انسان کے فطری حقوق کے تحفظ کے جذبہ کار بن منت ہے۔ اسی بنا پر معاشرہ کا یہ فرض گردانا گیا کہ وہ انسان کے فطری حقوق کا تحفظ کرے۔ چنانچہ، ان فطری حقوق کو ”بنیادی انسانی حقوق“ کا نام دے دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی مجلس نے ۱۹۴۸ء میں ایک منشور شائع کیا جو ”منشور حقوق انسانیت“ (Human Rights Charter) کے نام سے معروف ہے اور جسے انسانی حقوق کے حوالے سے حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔ اس منشور کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں اور بنیادی حقوق کے یکساں حقدار ہیں۔ زندگی، آزادی اور جان کی حفاظت انسان کا حق ہے۔ انسانی غلامی ممنوع ہے۔ بے رحمی کے سلوک سے حفاظت انسان کا حق ہے۔ ہر انسان یکساں قانون کے سلوک کا حقدار ہے۔ کسی انسان کو بلا تصور گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔ الزام کے ثابت نہ ہونے تک، ملزم کو بے تصور تصور کیا جائے گا۔ معاملات زندگی میں عدم مداخلت فرد کا حق ہے۔ نقل و حرکت کی آزادی ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جا بسنے کی آزادی ہے۔

\* ڈاکٹر، اسٹنٹ پروفیسر، کلیہ علوم اسلامیہ، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد برقی پتا: mjunaidnadvi@gmail.com

حق قومیت۔ نکاح کا حق۔ حقوق جائیداد۔ خیالات، ضمیر، مذہبی آزادی۔ اظہار خیالات اور اجتماعات میں شرکت کی آزادی ہے۔ اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کا حق ہے۔ تعمیر خویش کے لیے وسائل و ذرائع کی آزادی۔ حسب منشا کام کاج کرنے کی آزادی۔ آرام اور فرصت کی آزادی۔ معیار زندگی کی آزادی۔ تعلیم کا حق۔ جماعتی اور ثقافتی زندگی کا حق۔ (۱)

## بنیادی مسئلہ:

مندرجہ بالا بنیادی انسانی حقوق کا تعین ایک قابل ستائش کاوش ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اقوام عالم اس منشور پر عمل درآمد کر رہی ہیں؟ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ ان حقوق کا احترام اور ان پر عمل کرنا تو کرنا تو ایک طرف رہا، انسانوں پر اس قدر مظالم کیے گئے ہیں کہ انسانی ضمیر کا نپ اٹھتا ہے۔ دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ مندرکہ ”منشور حقوق انسانیت“ کی ناکامی کے اسباب و علل کیا ہیں؟ تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ اگر انسانوں کی فکری کاوش کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والا ”منشور حقوق انسانیت“ ناکام ہو گیا ہے، تو کیا اس کا متبادل ”منشور حقوق انسانیت“ موجود ہے؟ اگر ہے تو کون سا ہے؟ اس کی تاریخ کتنی پرانی ہے؟ کیا وہ ”منشور حقوق انسانیت“ انسانی ذہن کی اختراع ہے؟ یا کسی مافوق الفطرت ہستی نے کسی انسان کے قلب و ذہن پر القا کیا ہے؟ اور کیا وہ انسان عام انسانوں سے مختلف صفات کا حامل ہے؟

زیر نظر مقالہ میں مندرجہ بالا سوالات کا جواب تلاش کرنے کے علاوہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چودہ سو برس قبل، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو کون انسانی حقوق سے روشناس فرمایا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا مسلمانوں کا ایمانی تقاضا ہے۔

## انسانی حقوق کا مفہوم:

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان طبعاً معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔ اس کی اجتماعی جبلت اُسے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے لے کر تا دم زیت ان گنت انسانوں کی خدمات، توجہ، امداد اور سہاروں کا محتاج ہے۔ اپنی پرورش، خوراک، لباس، رہائش اور تعلیم و تربیت کی ضروریات ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کے نشو و ارتقا اور ان کے عملی اظہار کے لیے بھی وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ یہ اجتماعی زندگی اُس کے گرد تعلقات کا تانا بانا تیار کرتی ہے۔ خاندان، برادری، محلے، شہر، ملک اور بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی تک پھیلے ہوئے تعلقات کے یہ چھوٹے بڑے دائرے اُس کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں۔ ماں، باپ، بیٹے، شاگرد، اُستاد، مالک، ملازم، تاجر، خریدار، شہری اور حکمران کی بے شمار مختلف حیثیتوں میں اُس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان فرائض کے مقابلہ میں وہ کچھ متعین حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے (۲)۔ ان حقوق میں بعض کی حیثیت محض اخلاقی ہوتی ہے۔ مثلاً بڑوں کا حق اَدب، چھوٹوں کا حق شفقت، ضرورتمند کا حق امداد، مہمان کا حق تواضع وغیرہ۔ اور بعض حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً حق ملکیت، حق اُجرت، حق مہر اور حق معاوضہ وغیرہ۔ (۳)

## انسانی حقوق کی مختصر تاریخ:

اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں۔ پھر پانچویں صدی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا رشتہ جوڑتے ہوئے ایک ہی وقت میں گیارہویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی سے دسویں عیسوی تک کا پانچ سو سالہ عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ سے غائب ہے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ شاید یہ کہ یہ اسلامی عہد ہے (۴)۔ انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں نے بلاشبہ قانون کی حکمرانی اور عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر بڑی فاضلانہ کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن ان کے ہاں انسانی مساوات کا کوئی تصور ہمیں نہیں ملتا۔ وہ ہندوستان کے برہمن (حکمران اور مذہبی پیشوا)، چھتری (فوجی خدمات انجام دینے والے)، ویش (تجارت اور زراعت پیشہ لوگ) اور شُدر (بقیہ تین ذاتوں کے خدمت گار اور غلام) طبقوں کی طرح انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور منو شاستر کی طرح ان کے ہاں بھی یہی چار طبقات ملتے ہیں۔ اُفلاطون اپنی کتاب 'جمہوریت' میں حکمرانی کا حق صرف فلسفیوں کو دیتا ہے اور پھر بقیہ افراد معاشرہ کو فوجیوں، کاشت کاروں اور غلاموں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح، ارسطو کا تصور انصاف بھی اُفلاطون سے ملتا جلتا ہے (۵)۔ روم کا مشہور عیسائی مقنن سِرو (Cicero) اور اُس کے ہم عصر قانون سازوں نے اپنے وضع کردہ قوانین میں انفرادی ملکیت کے حق کو بطور خاص تحفظ دیا۔ اس سے ایک طرف فرد کی اہمیت تسلیم کی گئی اور دوسری طرف بنیادی حقوق کی تعریف کے لیے ایک بنیاد فراہم ہو گئی۔ بنیادی حقوق کی جدوجہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ میں ہوا، جہاں ۱۰۳۷ء شاہ کانریڈ ثانی (King Conrad-II) نے ایک منشور کے ذریعے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے۔ اختیارات کے تعین کی ان ہی کوششوں نے بالآخر ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو میکنا کارٹا (Magna Carta) نامی منشور کا جنم ہوا، جو ابتدا میں بادشاہ اور اُمراء کے مفادات کا تحفظ کرتا تھا، عوام کے حقوق کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے اس منشور کی توثیق کر دی۔ چودھویں سے سولہویں صدی تک یورپ پر میکاوی کے نظریات کا غلبہ رہا جس نے آمریت کو استحکام بخشنا، بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کیے اور اقتدار کو زندگی کا اصل حصول قرار دے دیا۔ انقلاب فرانس (French Revolution)؛ ۱۷۸۹ء-۱۷۹۹ء؛ کے بعد جان لاک نے 'معاہدہ عمرانی' کا نظریہ پیش کیا، اور اس میں فرد کے حقوق پر مدلل بحث کی۔ ۱۷۶۲ء میں فرانسیسی مفکر 'روسو' نے معاہدہ عمرانی کا نئے انداز سے جائزہ لیا۔ ۱۷۸۹ء میں امریکی کانگریس اور اس کے تین سال بعد فرانس کی قومی اسمبلی نے منشور انسانی حقوق منظور کیا۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مجلس اقوام متحدہ نے 'منشور حقوق انسانیت' (Charter of Human Rights) بنا دیا۔ (۶)

انسانی حقوق کی مختصر تاریخ یقیناً قابل ستائش ہے لیکن جب ہم اس کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں کا جائزہ لیں تو یہ

سوالات پیدا ہوتے ہیں: کیا ایک عالمگیر انسانی حقوق کے منشور کو مرتب اور منظور کر لینے سے فی الحقیقت ان حقوق کے تحفظ کی قابل اطمینان ضمانت مہیا ہوگئی ہے؟ کیا یہ عالمی منشور ایک فرد کو آمریت و فسطائیت کے چنگل سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا ہے؟ کیا اکیسویں صدی کا انسان فی الواقع بارہویں یا سولہویں صدی کے غلام اور مقہور انسان کے مقابلے میں زیادہ محفوظ، پُر امن اور خوف و خطر سے آزاد زندگی بسر کر رہا ہے؟ آئیے! ان سوالات کا جواب علوم عمرانیات کے مفکرین کی تحریروں کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

روس نے ۱۷۵۰ء میں کہا: ”انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔“ تقریباً دو سو سال بعد ۱۹۴۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر میکلوین نے اپنے عہد کے انسان کی زبوں حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”مدون تاریخ کے کسی بھی دور میں فرد کو ریاست سے کبھی اتنا سنگین خطرہ لاحق نہیں ہوا، عدلیہ کو انتظامیہ کے مقابلے میں کبھی اتنی بے بسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اس خطرے کو محسوس کرنے اور اس کے تدارک کی تدابیر سوچنے کی اتنی ضرورت شدید ضرورت پہلے کبھی نہیں پڑی جتنی آج ہے“ (۷)۔ چوتھائی صدی بعد ۱۹۷۰ء میں انسان کے بنیادی حقوق کو لاحق خطرات کا جائزہ لیتے ہوئے رابرٹ ڈیوی (Robert Dewey) اپنی تشویش کا اظہار یوں کرتا ہے: ”تقریباً دو سو سال قبل انقلابی ہنگامہ آرائیوں کے موقع پر جو آج کی ہنگامہ آرائیوں سے مختلف نہ تھیں۔ تھامس پین (Thomas Paine) نے اپنے ہم عصروں کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کیا تھا: آزادی دنیا کے گرد بھاگتی پھر رہی ہے۔ اس مفرو کو پکڑو اور انسانیت کے لیے بروقت ایک پناہ گاہ تیار کرو۔ آج ہزاروں چکنی چڑی باتوں، ہزاروں اعلانات اور منشوروں کے بعد بھی آزادی ہنوز عنقا ہے، پوری دنیا میں اس کا نام و نشان کہیں نہیں ہے“۔ (۸)

ان بیانات کے مطالعہ سے انسانی حقوق کے بارے میں اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب با آسانی مل جاتا ہے۔ انسان کی محرومیوں اور در ماندگی کے اس طویل تاریخی پس منظر میں جب ہم بنیادی انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹوں، اخبارات و رسائل کی فراہم کردہ معلومات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ تلخ اور ناقابل تردید حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ بنیادی حقوق کی منظم تنظیمات اور اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کے باوجود آج کا انسان بھی، روس کے عہد کے انسان کی طرح ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

عمرانی علوم کے مفکرین کے تبصرے اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرد کی عزت و توقیر اور اس کے مقام و احترام سے دلچسپی رکھنے والے لوگ دنیا کے موجودہ سیاسی نظاموں سے سخت بیزار اور شدید کرب و اضطراب سے دوچار ہیں۔ آج یہ سوال سنجیدگی سے زیر بحث ہے کہ مجلس اقوام متحدہ کے ”منشور حقوق انسانیت“ کے ثمرات دنیا تک نہیں پہنچ رہے ہیں۔ اس سوال کا جواب اور حل اسلامی عہد میں پوشیدہ ہے، جو چھٹی سے دسویں عیسوی تک کے پانچ سو سالہ عہد کی مرتب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہے۔ یہ حل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ”منشور حقوق انسانیت“ میں مضمر

ہے۔ جو ناقص سے پاک ہے۔ یہ منشور آج بھی وہ نتائج فراہم کر سکتا ہے جو دنیا کے دیگر انسانوں کی خود ساختہ فکر فراہم کرنے میں ناکام ہو گئی ہے۔ اس منشور کی بنیادی کی خصوصیات یہ ہیں: احترام آدمیت، تحفظ جان، تحفظ ملکیت، تحفظ آبرو، نجی زندگی کا تحفظ، شخصی آزادی کا تحفظ، نکاح میں انتخاب کا حق، حسن ذوق کا حق، مذہبی آزادی کا حق، ظلم کے خلاف آواز کا تحفظ، آزادی اظہار رائے، آزادی ضمیر و اعتقاد، حق مساوات، حصول انصاف کا حق، معاشی تحفظ کا حق، معصیت سے اجتناب کا حق، آزادی تنظیم و اجتماع، سیاسی زندگی میں شرکت کا حق، آزادی نقل و حرکت اور سکونت، حق ہجرت و معاوضہ، مسلمانوں کے خصوصی حقوق، غیر مسلموں کے خصوصی حقوق وغیرہ۔

سنتِ مطہرہ کے ہمہ گیر پہلو:

اسلامی علوم و فنون میں آج تک جو کچھ مدون و مرتب ہوا ہے اس میں غالب حصہ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے اور شاید یہ کہنا بلا مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا کے علم میں مدونات، مصنفات اور کتب و رسائل میں سب سے زیادہ تعداد سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ ایک تاریخی دلالت کی داستان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سیرت اپنے تنوعات کے اعتبار سے نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو چودہ سو سال سے جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، ”دنیا میں جب تک مسلمان ہیں، سیرت نبویہ ایک زندہ عامل کی حیثیت رکھے گی، اور دنیا کے ترقی پذیر تمدن اور تبدل پذیر حالت میں اسوہ حسنہ کے کسی ایک پہلو کو کبھی اہمیت حاصل رہے گی تو کبھی کسی اور کو“۔ (۹)

اسلام اور انسانی حقوق:

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام میں بنیادی انسانی حقوق کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان کا وجود۔ انسان کے خالق و مالک نے جس طرح اُس کی طبعی زندگی کے لیے ہوا، پانی، خوراک، روشنی اور دوسرے بے شمار اسباب زندگی فراہم کیے ہیں اسی طرح اُسے معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ضابطہ حیات بھی آغاز زندگی سے عطا کر دیا تھا۔ قرآن اس حقیقت کی واضح شہادت فراہم کرتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں بھیجئے اور مصعبِ خلافت پر فائز کرنے سے پہلے اُسے حقوق و فرائض کا شعور عطا کر دیا گیا تھا اور اسباب زندگی کی فراہمی کے ساتھ ہی آداب زندگی بھی سکھا دیے گئے تھے۔ اس دنیا میں آنے والے اولین انسان نے اپنی زندگی کا آغاز جہل کی تاریکی میں نہیں بلکہ علم کی روشنی میں کیا تھا۔ (۱۰)

بنیادی انسانی حقوق کے اسلامی تصور کی بنیاد قرآن مجید اور سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے ”متعین“ کردہ بنیادی حقوق کو اگر نظری مانا جائے تو سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عملی شکل ہے۔ خوف طوالت کے پیش نظر، مقالہ کے اس حصہ میں قرآن مجید کے ”متعین“ کردہ اُن بنیادی حقوق کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے، جس کی عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں واضح طور پر نظر آتی ہے جو بلا امتیاز و عقائد تمام انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں۔

## قرآن و سنت کے متعین کردہ بنیادی حقوق:

### ۱۔ تحفظ جان

قرآن اور سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا امتیاز عقائد، رنگ اور نسل، تمام انسانوں کی جان انتہائی محترم ہے۔ ان دونوں مصادر میں تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا گیا ہے اس کی نظیر دنیا میں پائے جانے والے مذہبی، اخلاقی یا قانونی لٹریچر میں نہیں ملتی ہے۔ (۱۱)

اس حق کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشادات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں تو ان سے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو کیونکہ تمہارے وجود، تمہاری بیوی اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (۱۲)۔ فتح مکہ کے موقع پر طاقت اور قدرت رکھنے کے باوجود رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام مخالفین اور شدید ترین دشمنوں کی جان بخشی کا حکم صادر فرمایا (۱۳)۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے فرمایا: لوگو! تمہارے خون و مال ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں، ہمیشہ کی طرح ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے لیے اس دن کی اور اس ماہ مبارک کی حرمت اس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اور کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔ بعد ازاں اپنے قول کی عملی مثال دیتے ہوئے فرمایا: زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون، جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں (۱۴)۔ چند مختلف مواقع پر آپ نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی (۱۵)۔ جس نے کسی معاهد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگے گا (۱۶)۔ مشرک بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوئی ہے۔ (۱۷)

قرآن اور سنت کے مندرجہ بالا مطالعہ سے پہلی اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ بلا امتیاز عقائد، رنگ اور نسل، تمام انسانوں کی جان انتہائی محترم ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے دوسری اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور پھر مدنی دور کی غزوات، واقعہ صلح حدیبیہ، فتح مکہ، میثاق مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع جیسے واقعات پیش آئے۔ ان سب میں انسانی جان کا احترام ملحوظ رکھا گیا۔ انسانی حقوق کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا۔ انسانی جان کا نقصان بہت ہی کم ہوا۔ ایسی نظیر دنیا کی محفوظ تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آتی۔

### ۲۔ تحفظ ملکیت

اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو اصول و ضوابط کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس حق کی جائز صورتوں کو اپنے نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس سے مراد جائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت، منقولہ اور غیر منقولہ املاک کا تحفظ اور حکومتی عدم مداخلت

ہے۔ قرآن مجید اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں اس ضمن میں واضح ہدایات اور عملی مثالیں ملتی ہیں۔ (۱۸)

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اسلامی ریاست میں تمام حقوق و واجبات مثلاً زکوٰۃ و صدقات، ماں، باپ، بیوی، بچوں، بھائی، بہنوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کی کفالت کے مصارف، حقوق وراثت، حقوق بیع و ثری اور دوسرے نفقات و واجبات ادا کیے جاتے تھے۔ ملک کے دفاع، انتظامی امور، فلاح عامہ کے منصوبوں یا ہنگامی ضروریات مثلاً جنگ، قحط، سیلاب، زلزلہ اور وبا وغیرہ سے نمٹنے کے لیے حکومت کی جانب سے مستقل یا عارضی نوعیت کے ٹیکس بھی لگائے جاتے تھے (۱۹)۔ سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اصول بھی وضع ہوا ہے کہ بشرط ضرورت، حکومت کسی کی ذاتی ملکیت کو اجتماعی مفاد کے تحت معاوضہ ادا کر کے اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو زمین منتخب فرمائی تھی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ بلا قیمت پیشکش کے باوجود آپؐ نے عام شرح کے مطابق اس کا معاوضہ ادا فرمایا (۲۰)۔ جنگ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے زرہیں مستعار لیں اور یہ فرمایا کہ ان میں سے جو ضائع ہوں گی ان کا معاوضہ دیا جائے گا (۲۱)۔ تحفظِ ملکیت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جو شخص اپنی مال بچانے کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے۔“ (۲۲)

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر بیان سے بنیادی انسانی حقوق میں تحفظِ ملکیت کے مقام کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

### ۳۔ تحفظِ آبرو

قرآن مجید سے ہمیں یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ اسلامی ریاست کے ہر شہری کی عزت و آبرو کا تحفظ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (۲۳)

بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے سیرتِ طیبہ سے تحفظِ آبرو کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ خطبہٴ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ہی حرمتِ آبرو کا حکم بھی دیا (۲۴)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ارشادات میں لوگوں کو بلا وجہ مارنے پینے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے (۲۵)۔ اور اگر کسی مسلمان کی تذلیل اور عزت پر حملہ کا دفاع نہ کیا جائے تو وہ شخص بھی اللہ کی حمایت سے محروم رہے گا (۲۶)۔ اگر کسی شخص نے کسی کی بے عزتی یا آبروریزی یا ظلم کیا ہو تو وہ اُس شخص سے معافی مانگ لے ورنہ یوم حسابِ مظلوم کی برائیاں اُس پر ڈال دی جائیں گی (۲۷)۔ اور فرمایا: بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا ہے۔ (۲۸)

قرآن اور سیرت کی یہ مثالیں بنیادی انسانی حقوق کے باب میں تحفظِ آبرو کی اہمیت کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں۔

### ۴۔ نجی زندگی کا تحفظ

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی ریاست میں شہریوں کی نجی زندگی کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔

گھروں کی چار دیواری کو ایک محفوظ قلعہ کی حیثیت دی گئی ہے جس میں کسی فرد یا حکومت کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۲۹)

اس ضمن میں سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے گھر میں آواز یا دستک دے کر داخل ہوا کرتے تھے تاکہ ماں بہنوں اور بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑے جو بد اخلاقی کے زمرے میں آتی ہو (۳۰)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمایا: تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو اُن کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے (۳۱)۔ جس نے کسی کے عیب کی پردہ پوشی کی گویا اُس نے ایک زندہ درگور انسان کو زندہ کر دیا (۳۲)۔ حکمرانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دیکھیے۔ فرمایا: حکمراں جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ اُنہیں بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ (۳۳)

نئی زندگی کی اہمیت کا اندازہ سیرت طیبہ کے مندرجہ بالا بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

## ۵۔ شخصی آزادی کا تحفظ

قرآن مجید نے واضح انداز میں شخصی آزادی کی ضمانت فراہم کی ہے۔ قرآن کا واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو آزادی عطا کی ہے اُسے کوئی عام حکمران تو درکنار خود خدا کا رسول بھی سلب نہیں کر سکتا ہے۔ (۳۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی شہری کو کھلی عدالت میں جرم ثابت کیے بغیر قید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ محض شک کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کرنا اور عدالتی کارروائی کے بغیر انہیں جیل میں ڈال دینا جائز نہیں۔ آج ”اتنماعی نظر بندی“ کے زیر عنوان ”ریاست کی سلامتی“ کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اسلامی قانون میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا انداز فکر یہ ہے کہ سزا سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ اور اسباب و شواہد سزا کے لیے نہیں بلکہ برأت کے لیے تلاش کیے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں (شہریوں) کو سزا سے بچاؤ۔ کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو انہیں چھوڑ دو۔ یہ بات کہ امام (حکومت) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے، اس بات سے بہتر ہے کہ وہ اُس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے (۳۵)۔ ایک اور موقع پر فرمایا: جب تک بچانے کی کوئی راہ مل رہی ہو اُس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ۔ (۳۶)

شخصی آزادی کے تحفظ کے حوالے سے مندرجہ بالا بیانات حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز فکر کی واضح نشان دہی کر رہے ہیں۔

## ۶۔ ظلم کے خلاف حق احتجاج

قرآن مجید نے شہریوں کو یہ حق دیا ہے کہ اُن پر ظلم حد سے بڑھ جائے، صبر و تحمل کا بند ٹوٹ جائے تو وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں، ظالم سے ہرگز نہ دیں اور اُس کے ظلم کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کریں۔ (۳۷)

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں اس ضمن میں واضح راہنمائی ملتی ہے۔ مظلوم کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ